© rasailojaraid.com

نظرات

اخبارات سے یہ معلوم کرکے سخت افسوس ہوا کہ پروفیسر اشتیاق حسین قریشی گذشتہ ماہ جنوری کے تیسرے ہفتہ میں کراچی میں انتقال کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون، مرحوم برصغیر ہند و پاک کے نامور مورخ اور ماہر تعلیم تھے، ان کا اصل وطن مارہرہ اتر پردیش میں ضلع ایٹہ کا ایک مردم خیز قصبہ تھا، وہیں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گھر پر پائی۔ انٹرنس کا امتحان مولوی بشیرالدین مرحوم کے قائم کئے ہوئے اٹاوہ کے ہائی اسکول سے پاس کیا، مولوی صاحب سرسید مرحوم کے صحبت یافتہ تھے اس لئے ایک زمانہ میں اسی اسکول کی مسلمان لڑکوں کی بہترین تعلیم گاہ و تربیت گاہ کی حیثیت سے بڑی شہرت تھی ڈاکٹر ذاکر حسین اور ان کے برادر خورد ڈاکٹر یوسف حسین نمان اسی اسکول کے فیض یافتہ اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم کے ساتھی تھے، اس کے بعد ابھی زیر تعلیم ہی تھے کہ تحریکِ خلافت شروع ہوئی۔ یہ شروع سے ہی تھے بڑے جذبیلے اور جوشیلے، انھوں نے تحریک میں اس جوش و خروش سے حصہ لیا کہ تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا، چند برسوں کے بعد جب کمال اتاترک کے الغائے خلافت کے باعث مسلمانوں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی تو مرحوم نے پھر تعلیم کا سلسلہ شروع کیا اور بی۔ اے کرنے کے بعد سینٹ اسٹیفنس کالج، دہلی میں داخل ہوکر دہلی یونیورسٹی سے تاریخ اور فارسی دونوں میں ایم۔ اے کا امتحان پاس کیا اور پھر اسی کالج میں تاریخ کے لکچرر ہوگئے، سات آٹھ برس کے بعد کالج کے معمول اور دستور کے مطابق کیمبرج یونیورسٹی گئے اور ڈاکٹر ہوکر واپس ہوئے، ڈاکٹریٹ کے لئے انھوں نے جو مقالہ لکھا تھا وہ "دہلی سلطنت کا نظم و نسق" کے نام سے اسی زمانہ میں ہی شائع ہوکر ارباب علم و تحقیق میں مقبول ہوچکا تھا، کیمبرج سے آنے کے بعد چند برس کالج میں رہے اور پھر دہلی یونیورسٹی میں تاریخ کی چیر قائم ہوئی تو یہ یونیورسٹی کے پہلے پروفیسر تاریخ مقرر ہوکر وہاں چلے گئے اور ساتھ ہی فیکلٹی آف آرٹس کے ڈین منتخب ہوئے، کالج اور یونیورسٹی میں ان کا بڑا وقار اور مرتبہ تھا، اساتذہ اور طلبا سب ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا لحاظ اور احترام کرتے تھے۔

مرحوم نہایت پختہ عقیدہ، نماز روزہ کے پابند اور بڑے جوشیلے اور جذباتی مسلمان تھے سیاسی خیالات کے اعتبار سے کٹر مسلم لیگی اور تحریک پاکستان کے سرگرم حامی تھے، چنانچہ وہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے، ۱۵ر اگست ۴۷ء کو اسمبلی کا جو پہلا اجلاس کراچی میں منعقد ہوا تھا ڈاکٹر صاحب اس میں شریک تھے، چند روز کے بعد جب ڈاکٹر صاحب ہم لوگوں کی توقع برخلاف دہلی واپس آگئے اور یونیورسٹی میں باقاعدہ کام کرنے لگے تو سب کو بڑی حیرت ہوئی، ڈاکٹر صاحب کالج اور یونیورسٹی میں تو میرے رفیق کار تھے ہی یوں بھی ذاتی طور پر میرے نہایت بے تکلف اور عزیز دوست تھے، ایک دن میں نے پوچھا "ڈاکٹر صاحب کیا واقعی آپ نے ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کرلیا ہے؟" بولے: جی ہاں! میں کراچی سے آیا تو ہوں اسی عزم اور ارادہ کے ساتھ" میں نے کہا، پھر کیونکر ممکن ہے کہ آپ ہوں پاکستان کی دستور سازی اسمبلی کے ممبر اور رہیں ہندوستان میں " ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا! میں کراچی اسی ارادہ سے گیا تھا کہ اب ہندوستان میں نہ رہوں گا، لیکن قائد اعظم نے مجھ سے فرمایا! اب جبکہ پاکستان بن گیا ہے۔ مجھ کو امید ہے کہ دونوں ملک مل جل کر رہیں گے، اس لئے تم جیسے مسلمان جو اعلیٰ عہدہ پر ہیں، میں چاہتا ہوں کہ وہ ہندوستان میں ہی رہیں" چنانچہ قائد اعظم کے اس ارشاد پر میں واپس آگیا ہوں، حالات اگر ٹھیک رہے تو میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے استعفا بھیج دوں گا" لیکن اس گفتگو کے چند روز بعد ہی دلی میں قتل و غارتگری کا بازار ایسا گرم ہوا کہ ۱۸۵۷ میں بھی ایسا گرم کیا ہوا ہوگا۔ ستمبر ۴۷ء کے پہلے ہفتہ میں ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی اور دلی یونیورسٹی کے مسلمان رجسٹرار کے مکان پر یونیورسٹی کے کیمپس میں شدید حملہ ہوا اور دونوں کو اپنی جانیں بچاکر ترک وطن کرنا پڑا۔

ذاتی واقفیت کی بناپر مجھ کو یقین ہے کہ ڈاکٹر صاحب ان چند مخلص مسلمانوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے تھے جنھوں نے نیک نیتی اور ایمانداری سے یہ سمجھا تھا کہ پاکستان میں اسلامی نظام حکومت قائم ہوگا، وہاں کے مرد عورت جوان اور بوڑھے عقیدہ اور عمل اور اخلاق و عادات کے اعتبار سے بہتر مسلمان ہوں گے اور دونوں ملک امن و سلامتی سے رہیں گے، لیکن وہاں ان معصوم توقعات کے بالکل برعکس جو حالات رونما ہوئے انھوں نے ڈاکٹر صاحب کو سخت مایوس کر دیا اور وہ اس صورت حال پر اپنے غم و غصہ اور درد و کرب کا اظہار تقریروں، تحریروں اور نجی گفتگوؤں میں برملا اور علی الاعلان کرتے تھے، تاہم قائد اعظم اور نواب زادہ لیاقت علی خاں ان کے بڑے قدردان تھے، اس بنا پر وہ آبادکاری کے وزیر مقرر کئے گئے تھے بڑے شریف اور دوست، اس زمانہ میں میں کلکتہ میں تھا۔ وہاں سے میں نے کراچی اور لاہور کے بعض دوستوں اور عزیزوں کی سفارش میں ڈاکٹر صاحب کو خطوط لکھے تو ان کا خاطر خواہ اثر ہوا اور ڈاکٹر صاحب نے فراخدلی سے ان کی مدد کی، نواب زادہ کی شہادت کے بعد جب پاکستان میں الٹ پلٹ ہوئی تو ڈاکٹر صاحب بددل ہوکر امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں وزٹنگ پروفیسر ہوکر چلے گئے، یہاں انھوں نے برصغیر کے مسلمانوں پر لکچر دیئے جو کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں اور ہماری نظر سے گزرے ہیں، مرحوم کے بلند پایہ مؤرخ اور محقق ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا، لیکن مجھ کو ہمیشہ ان سے یہ شکایت رہی کہ ان کی غیر معمولی جذباتیت کہیں کہیں مؤرخانہ معروضیت پر غالب آجاتی ہے، یہ رنگ ان کی اس کتاب میں بھی ہے اور ایک دوسری کتاب "علماء" میں بھی، آپ کہیں گے ہندو مؤرخین بھی تو غیر متعصب نہیں ہیں، میں عرض کروں گا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم، یعنی بلا سے کوئی گمراہ ہوتا ہے تو ہونے دو، تم اے مسلمانو! بہرحال سیدھے راستہ پر رہو، اس بنا پر اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی لاکھ دھاندلی کرے ایک مؤرخ کو بہر صورت تاریخ کے ساتھ انصاف کرنا چاہیئے۔ ا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امریکہ اور دوسرے ملکوں کے دورہ کے بعد کراچی واپس آئے تو یہاں مختلف اوقات میں مختلف عہدوں پر رہے۔ اسی اثناء میں ایک مرتبہ وزیر تعلیم بھی رہے۔ آخر میں کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے اور بھٹو گورنمنٹ کے عہد میں اس سے سبکدوش ہوکر خانہ نشین ہوگئے۔ لیکن سیاسیات سے ان کی دلچسپی برابر قائم رہی جس کی وجہ سے وہ بھٹو گورنمنٹ کے معتوب بنے رہے۔ ڈاکٹر صاحب کی وائس چانسلری کے زمانہ میں ۱۹۶۹ء میں پہلی مرتبہ میں پاکستان گیا اور کراچی بھی پہونچا تو ایک دن صبح کے وقت ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی غرض سے کراچی یونیورسٹی بھی گیا، ڈاکٹر صاحب اپنے دفتر میں موجود تھے۔ میں نے اطلاع کرائی نام سنتے ہی فوراً باہر نکل آئے، ۲۳ برس کے بعد یہ پہلی ملاقات تھی فرطِ محبت میں بغلگیر ہوگئے اور دفتر کے اندر آکر "سخنِ گزشتہ گفتن وگلہ را دراز کردن" کا دور شروع کردیا۔ ابھی ہم کافی پی رہے اور باتیں کرہی رہے تھے کہ اچانک ایک نہایت شائستہ وبائستہ خاتون کمرہ میں داخل ہوئیں اور ڈاکٹر صاحب سے بولیں: وقت ہوگیا! آپ انتظار ہورہا ہے، ڈاکٹر صاحب نے فوراً گھڑی دیکھی اور کھڑے ہوگئے، مجھ سے بولے۔ آپ بھی میرے ساتھ چلئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یونیورسٹی میں سوشیالوجی کے ڈپارٹمنٹ کے ماتحت ایک شعبہ اسلامک سوشیالوجی کا قائم ہوا ہے، یہ خاتون ڈپارٹمنٹ کی صدر ہیں اور ڈاکٹر صاحب اس وقت اسلامک سوشیالوجی کے سکشن کا افتتاح کرنے جارہے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب مجھے ساتھ لئے ہوئے ڈپارٹمنٹ کے ایک وسیع اور کشادہ کمرہ میں داخل ہوئے جو اساتذہ، طلبار اور طالبات اور اخبارات کے نامہ نگاروں سے بھرا ہوا تھا ڈاکٹر صاحب ڈائس پر اپنی کرسی پر بیٹھے اور ایک قریب کی کرسی پر مجھے بٹھادیا، قرآن مجید کی تلاوت کے بعد فوراً ڈاکٹر صاحب کھڑے ہوگئے اور میرے تعارف میں ایک مختصر تقریر کی جس میں بڑی محبت سے برہان اور میری کتابوں خصوصاً صدیق اکبر کا تذکرہ کرتے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ مجھ سے اپنے دیرینہ تعلق کا بھی ذکر کیا، یہاں تک تو خیر غنیمت تھا، غضب یہ ہوا کہ اب ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے تقریر کی بھی فرمائش کر دی۔ میں یہ سنتے ہی سٹ پٹا کے رہ گیا، تاہم اپنے آپ کو سنبھالا اور ایک منٹ کے لئے سرنگوں ہو کر خدا سے دعا کی: بار الہا! تو نے میرے دوستوں کے دلوں میں یہ حسن ظن پیدا کیا ہے کہ میں ہر موضوع پر ہر وقت فی البدیہہ تقریر کر سکتا ہوں تو اس وقت میری مدد بھی فرما۔ اس کے بعد میں کھڑا ہوا اور بولنا شروع کر دیا۔ پون گھنٹہ بولا ہونگا۔ تقریر میں میں نے پہلے ڈاکٹر صاحب کو مبارکباد دی کہ ان کے عہد میں یہ ڈپارٹمنٹ قائم ہو رہا ہے اور پھر میں نے بتایا کہ اسلامک سوشیالوجی کیا ہے؟ اسلام کس طرح انسانی معاشرہ کو مختلف طبقات پر تقسیم کرتا ہے، ہر طبقہ کے الگ الگ حقوق و فرائض کو متعین کرتا ہے، ان سب کی بنیاد اور اساس ایک ہے اور اس کے ذریعہ اسلام کس طرح کثرت میں وحدت اور سماج میں ہم آہنگی اور توازن و اعتدال پیدا کرتا ہے، آخر میں میں نے یہ بھی کہا کہ اب جب کہ انسانی معاشرہ بدل رہا ہے ضروری ہے کہ اجتہاد کے ذریعہ اسلامی سماجیات کے جدید مسائل و معاملات کو حل کرنے کی کوشش کی جائے، میری تقریر کے بعد ڈاکٹر صاحب نے تقریر کی اور ڈپارٹمنٹ کا افتتاح کیا۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ایک دن لیاقت آباد میں اپنی کوٹھی پر کھانے پر مدعو کیا اور بس یہ میری اور ان کی آخری ملاقات تھی، انتقال کے وقت ان کی عمر کیا تھی؟ میرا اندازہ ۷۴، ۷۵ کا برس کا تھا۔ لیکن علی گڑھ کے ایک ممتاز خاندان کے ایک بیرکہن سال جو میرے قریب رہتے ہیں ابھی چند روز ہوئے ان سے معلوم ہوا کہ ۱۹۱۴ء میں ڈاکٹر صاحب مارہرہ کے ایک اسکول میں سکنڈ ماسٹر تھے اور وہ خود ان کی کلاس میں تھے، مزید برآں انھوں نے یہ بھی کہا کہ انکے پاس اب تک ڈاکٹر صاحب کے قلم کی ایک تحریر موجود ہے جس پر ان کے دستخط ہیں اور ۱۹۱۴ء کی تاریخ پڑی ہے، اگر یہ صحیح ہے تو ان کی عمر میرے اندازہ سے کہیں زیادہ ہو جاتی ہے واللہ اعلم بہر حال بڑی خوبیوں کے انسان اور بڑی آن بان کے مسلمان تھے اعلیٰ انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں میں دینی حمیت و غیرت اور ایمانی حمیت و جسارت کے ایسے لوگ کم ہی ہوں گے، اللھم اغفرلہٗ۔

© rasailojaraid.com